امریکہ اور مغرب میں صاف صاف باتیں

حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری

گزشتہ ۲/ اپریل ۲۰۰۴ء کو جامعہ خیرالمدارس کے مہتمم اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ مولانا محمد حنیف جالندھری ساؤتھ ایشیاء کے چار ممالک پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش اور افغانستان کے چودہ رکنی وفد کے ہمراہ امریکہ کے ۲۶ روزہ دورہ پر تشریف لے گئے۔ اس دورے کا اہتمام ''لوئی ول یونی ورسٹی'' امریکہ کی جانب سے کیا گیا تھا اور ایجنڈا (Islamic Life in USA) تھا یعنی ساؤتھ ایشیا کے ممتاز علماء، اسکالرز، اصحاب فکر ودانش اور صحافی حضرات کو امریکہ میں مقیم مسلمانوں کے مسائل ومشکلات سے آگاہی کے علاوہ غالباً یہ تاثر دینا بھی تھا کہ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد مسلمانوں کی سیاسی، مذہبی اور شہری آزادیوں پر جو قدغنیں عائد کی گئی تھیں اور مسلمانوں کے خلاف نفرت وعداوت کی جو لہر اُٹھی تھی اب اُن میں کمی آرہی ہے اور مسلمانوں کو اپنی تعلیمات، اقدار اور شعائر پر عمل کی آزادی ہے۔ امریکہ کے سفر کے بعد مولانا کو ناروے، جرمنی اور فرانس کے سفر کا موقع بھی ملا، امریکہ اور مغرب کے دورے سے واپسی پر مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب نے مختلف مواقع پر اپنے دورے کے اغراض ومقاصد اور اہداف پر جو روشنی ڈالی اور تاثرات کے حوالے سے جو تفصیلی گفتگو فرمائی، وہ نذر قارئین ہے۔

(ادارہ)

ہمارے وفد کو امریکہ کی مختلف ریاستوں میں متعدد یونی ورسٹیوں، تعلیمی اداروں اور مسلم وعیسائی برادری کے اجتماعات سے خطاب اور تبادلۂ خیال کا موقع ملا۔ ہم نے محسوس کیا کہ گیارہ ستمبر کے حادثہ کے بعد امریکہ میں اسلام، جہاد اور مسلمانوں کے خلاف منفی پروپیگنڈے کے ازالے کی ضرورت ہے۔ یہ کام مخلص اور دینی درد رکھنے والے ایسے اہلِ علم ہی انجام دے سکتے ہیں جو اغراض ومصلحت پسندی سے بالاتر ہو کر اسلام کی صحیح تصویر پیش کرسکیں۔

آج کل مغرب کا ایک پالیسی ساز ذہن رکھنے والا آدمی ہی نہیں بلکہ ایک عام آدمی بھی اسلام کے بارے میں بڑی جستجو رکھتا ہے، جہاد اور دینی مدارس گفتگو کا موضوع بننے والے موضوعات میں سے سرفہرست ہیں، مغربی میڈیا نے اسلام، جہاد اور دینی مدارس کے خلاف پروپیگنڈے کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیا، مغربی میڈیا شب وروز لوگوں کے ذہن ودماغ میں یہ غلط فہمی راسخ کرنے میں لگا ہوا ہے کہ جہاد دہشت گردی اور دینی مدارس دہشت گردی کے مراکز اور آماج گاہ ہیں، دینی مدارس میں دہشت گردی کی تعلیم وتربیت دی جاتی ہے اور وہاں سے نکلنے والے دہشت گرد بن کر بنی نوع انسان کے لیے ایک خطرے کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔

ہم نے الحمدللہ ثم الحمدللہ دینی مدارس کی صحیح صورت حال، ان کی خدمات کی صحیح تصویر اور معاشرے میں ان کے اجلے

© rasailojaraid.com

کردار کی اس طرح ترجمانی کی کہ وہ بالکل لاجواب ہوجاتے، ہم نے انھیں بغیر کسی لگی لپٹے رکھے صاف صاف کہا کہ اس وقت مغرب اور خاص کر امریکہ بنی نوع انسان کے لیے ایک مصیبت ودہشت کی علامت بنا ہے اور دنیا میں آگ وخون کے جاری سلسلے اس کی انسان دشمن پالیسیوں کا نتیجہ ہیں، مسلمان ہر جگہ اپنے دفاع اور اپنے جائز حقوق کی فتح کی جنگ لڑ رہے ہیں، اسے کسی بھی طرح ''دہشت گردی'' سے منتھی نہیں کیا جاسکتا۔

ہم نے انھیں ان کے دوہرے معیار کی طرف بھی توجہ دلائی، خواتین کے حقوق کے حوالے سے مسلمانوں کے خلاف جو پروپیگنڈہ کیا گیا ہے، اس کے بارے میں ہم نے کہا کہ جس طرح کسی خاتون کو زبردستی اس کی مرضی اور خواہش کے بغیر برقعہ پہنانا آپ کے نزدیک ''آزادیٔ نسواں'' کے خلاف ہے، ٹھیک اسی طرح کسی خاتون سے اس کی مرضی اور خواہش کے بغیر حجاب ہٹانا اور اسے حجاب پہننے سے منع کرنا بھی تو اس کے آزادانہ حقوق کے خلاف ہے۔ فرانس نے اور بعض دوسرے ملکوں نے خواتین کے حجاب پر پابندی عائد کررکھی ہے، کیا یہ پابندی انسانی حق تلفی کے زمرے میں نہیں آتی......آتی ہے اور یقیناً آتی ہے۔

امریکہ میں سیاسی، مذہبی اور شہری آزادیاں مثالی تھیں۔ لیکن گیارہ ستمبر کے بعد مسلمان متعصب عیسائیوں اور جنونی امریکیوں کا نشانہ بن گئے۔ برسوں سے اکٹھے رہنے والے مذہب کی بنیاد پر ایک دوسرے کے خلاف ہوگئے۔ زبردستی مسلمانوں کا تعلق ہائی جیکرز اور دہشت گردوں سے جوڑ دیا گیا۔ ممتاز حیثیت کے حامل مسلمانوں سے نہایت تندوتیز اور تلخ سوالات کیے گئے۔ اسی ضمن میں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ باکسنگ کے سابق عالمی چمپیئن محمد علی سے بھی ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے انہدام کے بارے میں تاثرات لیے گئے۔ انھوں نے اُصولی جواب دیا کہ ''اسلام ہر قسم کی دہشت گردی سے پاک ہے، وہ امن، بھائی چارے اور برداشت کا حکم دیتا ہے، بے گناہوں کو قتل کرنا اسلام میں جائز نہیں۔'' جب امریکی ذرائع ابلاغ کے نمائندے محمد علی سے حسب منشا جواب نہ لے سکے تو انھوں نے آخری سوال کیا......''اس موقع پر آپ کو اُسامہ بن لادن کا ہم مذہب ہونا کیسا لگتا ہے؟'' بوڑھے محمد علی نے روایتی مہارت سے عیسائی سائل کا یہ وار اسی پر الٹ دیا اور پوچھا کہ:......''آپ کو ہٹلر کا ہم مذہب ہونا کیسا لگتا ہے؟''

ہم نے اپنے خطبات اور گفتگو میں امریکہ کے اصحاب فکرودانش کو توجہ دلائی کہ دہشت گردی کے کسی واقعہ میں کسی خاص فرد کے ملوث ہونے کی بناء اس کے تمام اہلِ مذہب کو دہشت گرد قرار دینا یا سب کو دہشت گردی کا ذمہ دار سمجھنا عدل وانصاف کے منافی ہے۔ ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم برسا کر لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارنے والے امریکی مذہباً عیسائی تھے، یوگوسلاویہ میں سات لاکھ مسلمانوں کا قاتل جنرل عیسائی تھا مگر اس کی وجہ سے دنیا کے تمام عیسائیوں کو ظالم، بے رحم، انسانیت دشمن اور دہشت گرد قرار دینا انصاف نہیں۔ گیارہ ستمبر کے سانحہ میں ''القاعدہ'' کا ہاتھ تسلیم کرلیا جائے (اگرچہ اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا گیا) تو بھی اس بنیاد پر پوری اُمت مسلمہ کو دہشت گرد اور گردن زدنی قرار دینا اور آزادی کی تحریکوں کو دہشت گردی کہنا قطعی غلط ہے۔

© rasailojaraid.com

بہر حال امریکہ میں گیارہ ستمبر کے بعد اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو مہم شروع کی گئی تھی، اس کا ایک مثبت پہلو یہ

سامنے آیا کہ امریکہ کے سنجیدہ اور مدبّر حلقوں میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں تجسس بڑھ گیا اور اسلام کو زیادہ سے زیادہ جاننے اور پڑھنے کی خواہش عام ہوگئی۔ عام امریکی جو اسلام کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے یہ دریافت کرنے لگے کہ اسلام کیا ہے......؟ مسلمان کون ہیں......؟ یہ کیوں اس طرح اپنی جانیں دے رہے ہیں......؟ ان کے مذہب کی تاریخ کیا ہے......؟ نتیجہ یہ نکلا کہ بک اسٹالوں پر اسلام کے متعلق تصنیفات نمایاں رکھی جانے لگیں، قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ لاکھوں کی تعداد میں خریدا گیا، ہر بک اسٹور پر اسلام سے متعلق الگ حصہ مخصوص کیا گیا، قرآن کریم کے اس براہ راست مطالعہ کے حیرت انگیز مثبت نتائج برآمد ہوئے۔ اب امریکیوں کی ایک کثیر تعداد اسلام قبول کررہی ہے۔ مسلمان ہونے والوں کی تعداد اوسطاً پانچ سو ماہانہ ہے اور اسلام امریکہ کا دوسرا بڑا مذہب بن چکا ہے جس کے پیروکاروں میں تیزی سے اضافہ ہورہا ہے۔ جن عیسائیوں نے تعصب سے بالاتر ہوکر قرآن حکیم کا مطالعہ کیا ہے وہ اس کی صداقت کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ کیلی فورنیا کی ایک یونی ورسٹی کے وائس چانسلر نے ہمارے وفد کو چائے پر مدعو کیا۔ اُن کے ڈرائنگ روم میں خاصی تعداد میں اسلامی دینی کتب دیکھ کر مجھے تعجب ہوا۔ جب اس سلسلہ میں وائس چانسلر صاحب سے استفسار کیا تو انھوں نے بتایا کہ یہ کتابیں میرے بیٹے کی ہیں اور وہ مسلمان ہوگیا ہے جب کہ ہم میاں بیوی ابھی تک عیسائی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سوسائٹی کے طبقہ اشرافیہ میں بھی داخل ہوچکا ہے۔ امریکہ مختلف مذاہب کا ملک ہے۔ وہاں ہندوؤں کے مندر بھی ہیں، سکھوں کے گوردوارے بھی ہیں، بدھ مت، جین مت اور زرتشت بھی ہیں، گرجا گھر جابجا موجود ہیں لیکن اب ان کے ساتھ ساتھ خوب صورت مساجد کے بلند مینار بھی ایستادہ ہیں اور لوگوں کی زیادہ توجہ اسلام کی طرف ہے۔ امریکہ میں قائم مساجد ہمارے ہاں کی قائم مساجد کی نسبت زیادہ کردار ادا کرتی ہیں۔ ان میں نماز کی ادائیگی کے علاوہ قرآن کریم کی تعلیم دی جاتی ہے، اسلام کے بارے میں تدریس کا اہتمام ہے، مسلمانوں کے مذہبی اور سوشل اجتماعات انہی مساجد میں منعقد ہوتے ہیں۔

اسلامک سینٹرز کے منتظمین، ائمہ اور کمیٹیوں کے ارکان، اسلام کے خلاف پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ جو غیر مسلم اسلام کے بارے میں دلچسپی ظاہر کرتے ہیں ان کے اندازِ فکر کے اعتبار سے مختلف سوالات اور اُن کے جوابات پر مشتمل لٹریچر فراہم کیا جاتا ہے۔ مثلاً مسلمان کس طرح بنا جاتا ہے؟ اسلام کے ستون کیا ہیں؟ اشاعتِ اسلام سے دنیا پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟ کیا اسلام دوسرے عقائد کو برداشت کرتا ہے؟ اسلام میں عورتوں کے حقوق کیا ہیں؟ مسلمان حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں؟ بعض اسلامی مراکز میں نماز جمعہ میں نمازیوں کی تعداد ایک ہزار سے زائد اور عام نمازوں میں سو کے قریب ہوتی ہے۔ ان مساجد میں ائمہ حضرات مختلف مسالک کے ہیں جس میں کوئی حرج نہیں، مگر یہ پہلو افسوسناک ہے کہ بعض مساجد کے ائمہ اتحاد و اتفاق اور یہاں کے مسلمانوں کے معاشرتی مسائل پر گفتگو کی بجائے دیوبندی، بریلوی نزاعات اور تقلید، عدم تقلید کے موضوعات پر تند و تیز خطبات دیتے ہیں جن سے وہاں کے سنجیدہ مسلمانوں میں بددلی پھیلتی ہے۔ ایک مسجد میں ہمیں عین نماز جمعہ کے وقت پہنچنے کا اتفاق ہوا۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ امامت کے لیے تشریف لانے والے صاحب کوٹ پتلون میں ملبوس اور کلین شیو تھے۔ غالباً جماعت اسلامی

© rasailojaraid.com

سے تعلق تھا۔ وقت کم تھا اور قریب اور کوئی مسجد نہ تھی۔ مجبوراً انہی کے پیچھے نماز ادا کرنا پڑی۔

ہم نے اس دورہ میں امریکی دانشوروں پر یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ انسانیت کی فلاح اور خدمت کے اعتبار سے امریکہ کا ریکارڈ کچھ زیادہ قابل رشک نہیں۔ فلپائن، ویت نام، کمبوڈیا، میکسیکو، نکاراگوا، ہیٹی، ناگاساکی، ہیروشیما، تھائی لینڈ، لبنان، سوڈان، صومالیہ، یوگوسلاویہ، بوسنیا، افغانستان اور اب دوسری مرتبہ عراق میں ''امریکی تہذیب وشرافت، آزادی اور انسان دوستی'' کی داستانیں جا بجا پھیلی ہوئی ہیں۔ ان امریکی پالیسیوں کی وجہ سے دنیا بالخصوص مسلم اُمہ اور امریکہ کے درمیان فاصلے پیدا ہورہے ہیں۔ جب تک امریکہ دوسرے ملکوں اور قوموں کے معاملات میں مداخلت اور اپنی تہذیب کو بالاتر تہذیب قرار دے کر دوسری قوموں پر مسلط کرنے کی پالیسی تبدیل نہیں کرتا، دنیا خطرے سے دوچار رہے گی اور امریکہ کی حکمت عملیوں اور سامراجیت کے خلاف دنیا کے عوام میں ایک منفی ردعمل، ایک جذبہ بغاوت روز بروز فزوں سے فزوں تر ہوتا رہے گا۔ امریکہ طاقت کے غرور اور ناقابل تسخیر فوجی حیثیت کے نشے میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس کے ادراک سے قاصر ہے جس سے دنیا کے تمام انصاف پسند طبقے پریشان اور متفکر ہیں۔ امریکہ کے ارباب فکر و دانش پر لازم ہے کہ وہ اپنی سیاسی قیادت کو بین الاقوامی قوانین وروایات کو پاؤں تلے روندنے کے عزائم سے باز رکھیں۔

دورہ امریکہ کے دوران یہ بات بھی محسوس ہوئی کہ یہودی امریکہ میں اگرچہ تعداد میں کم ہیں لیکن وہ مالی اعتبار سے بہت طاقتور ہیں اس لیے وہ میڈیا اور دوسرے ذرائع سے اسلام کی تصویر مسخ کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں۔ اسلامی ممالک کو اس سلسلہ میں مؤثر حکمت عملی ترتیب دینی چاہیے اور غیر مسلموں کی طرف سے اٹھائے جانے والے اعتراضات کا جواب دینا چاہیے جن میں اسلام کو ایک رجعت پسند، بنیاد پرست اور روشن خیالی سے عاری مذہب قرار دیا جاتا ہے۔

امریکہ میں مسلمانوں کو بعض سنگین چیلنج درپیش ہیں جن میں ایک یہ کہ نئی نسل اسلام کی بنیادی تعلیمات سے یکسر عاری ہورہی ہے۔ ان کے حلیہ ولباس، انداز واطوار، گفتگو اور سرگرمیوں سے اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ مسلمان ہیں۔ بیشتر امریکی مسلمان اپنی دینی وتہذیبی روایات سے دستکش ہو کر مغربی تہذیب ومعاشرت کو اپنا رہے ہیں جس کی وجہ سے نئی نسل دینی فرائض اور حلال وحرام کے تصور سے ناآشنا ہوتی جارہی ہے۔ نئی نسل کے بعض افراد پنج وقتہ نمازوں کی پابندی تو کجا جمعہ اور عیدین تک سے غافل ہیں۔ جن لوگوں نے صرف روشن مستقبل اور حصول زر کے لیے اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر امریکہ میں سکونت اختیار کی وہ آج اس کے روشن چہرے اور تاریک باطن کو دیکھ کر پریشان ہیں۔ بہت سے مسلمان یہ چاہتے ہی کہ وہ دینی تعلیم کے لیے اپنی اولاد کو پاکستان بھیج دیں تاکہ ان کے عقائد واعمال، فکری وعملی ارتداد سے محفوظ رہیں۔ اس نسل کی اصلاح وتربیت کی ذمہ داری والدین کے علاوہ مسلم سوسائٹیوں پر بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ دنیوی تعلیم کے ساتھ ان کی دینی تربیت کی بھی فکر کریں۔ پاکستان کے ارباب مدارس کو بھی غور وفکر اور مشاورت کے بعد اس سلسلہ میں کوئی عملی قدم اٹھانا چاہیے۔

☆☆☆

© rasailojaraid.com